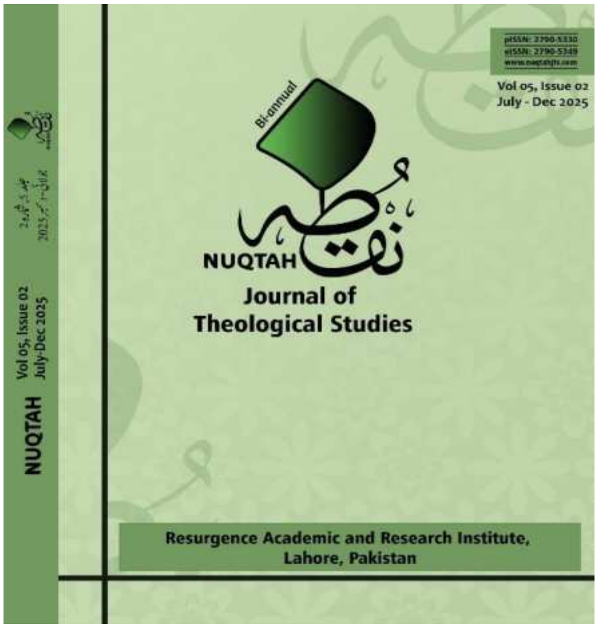
pISSN: 2790-5330
eISSN: 2790-5349
www.nuqtahjts.com
Vol 05, Issue 02
July - Dec 2025
Bi-annual
NUQTAH
Journal of Theological Studies
NUQTAH
Vol 05, Issue 02
July-Dec 2025
Resurgence Academic and Research Institute,
Lahore, Pakistan

Nuqtah Journal of Theological Studies
Editor: Dr Shumaila Majeed
(Bi-Annual)
Languages : English, Urdu, Arabic
pISSN: 2790-5330 eISSN: 2790-5349
https://nuqtahjts.com/index.php/njts
Published by
Resurgence Academic and Research
Institute Lahore (53720), Pakistan
Email: editor@nuqtahjts.com

انسانی حقوق پر غلط تصورات کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں علمی جائزہ

The Study of Misconceptions about Human Rights in the light of Islamic Teaching

Abdul Rehman
MS Research Scholar, Bahria University, Karachi, Pakistan.
Email: shoraimdehli@gmail.com

Dr Rabia
Assistant Professor, Bahria University, Karachi, Pakistan.
Email: rabia.bukc@bahria.edu.pk

Published online: 15 Nov, 2025

View this issue

OPEN ACCESS

CC BY

Complete Guidelines and Publication details can be found at:

https://nuqtahjts.com/index.php/njts/publication-ethics

Abstract

The study of misconceptions about human rights in the light of Islamic teachings reveals a complex interplay between religious principles and modern interpretations. Islamic teachings on human rights are deeply rooted in the Qur'an and Sunnah, emphasizing dignity, equality, and justice as divine obligations. However, misconceptions arise due to misinterpretations and political agendas, leading to a gap between Islamic ideals and their practice in some Muslim societies. This analysis examines the foundational Islamic perspectives on human rights, addressing common misconceptions and highlighting the need for a nuanced understanding of these principles. This research paper examines the misconceptions about human rights in Islam in the context of the Quran and the teachings of the Holy Prophet. The purpose of this study is to bridge the gap between the original meaning of Islamic teachings and the current misunderstandings of them. It provides a detailed overview of the practical agenda, including reforms in the education system, interfaith dialogue, and effective media participation, to properly understand Islam's role in promoting human rights.

Keywords: Islam, Human Rights, Misconceptions, Equality, and Justice.

1۔ تعارف:

انسانی حقوق کا موضوع عصر حاضر کے اہم ترین مباحث میں سے ایک ہے۔ اسلام نے چودہ سو سال قبل انسانی وقار، مساوات، اور عدل کے وہ اصول مقرر کیے جو آج بھی انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں اور ہمیشہ ہی رہیں گے۔ قرآن مجید نے انسان کو اشرف المخلوقات[1] کا درجہ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی انسانی حقوق کی ادائیگی اور عملی نفاذ کا بہترین نمونہ ہے اور خطبہ حجۃ الوداع میں آپ نے جو عالی شان خطبہ دیا اور اس میں جو عالمگیر اصول بیان فرمائے وہ آج بھی حقوق انسانی کے لیے جامع اصول اور قانون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم، آج مغربی ذرائع ابلاغ اور اور بعض جدید مفکرین کی جانب سے یہ غلط فہمی یا غلط تاثر پیدا کیا جارہا ہے کہ اسلام انسانی حقوق کو سلب کرتا ہے اور انسانی حقوق کے اعتبار سے یہ کوتاہی کرتا ہے[2]۔

اس وجہ سے خواتین کے حقوق، مذہبی آزادی، عدالتی نظام، اور اقلیتوں کے حقوق جیسے معاملات میں اسلام پر شدید تنقید کی جاتی ہے۔ یہ تنقیدیں بعض اوقات لاعلمی کی بنیاد پر ہوتی ہیں اور بعض اوقات منظم پروپیگنڈا کا حصہ ہوتی ہیں۔ استعماری دور سے لے کر آج تک اسلام اور مسلمانوں کے خلاف منفی تصور قائم کرنے کی مسلسل کوششیں جاری ہیں[3]۔ تحقیق کے بنیادی مقصد میں قرآن وسنت کی روشنی میں انسانی حقوق کے اسلامی تصور کو واضح کرنا، غلط فہمیوں کا تنقیدی تجزیہ، اور عملی حکمت عملی تجویز کرنا شامل ہے۔

2: قرآن و سنت میں انسانی حقوق کے بنیادی اصول:

انسانی تکریم کے باعث معاشرے قائم و دائم رہتے ہیں اگر یہ نہ ہو تو معاشرے میں لوگوں کے روابط کشیدگی کا سبب بن سکتے ہیں۔ جہاں انسانیت کی تذلیل ہو، اور حق دار کو اس کا حق نہ ملے اسے میں تلخیاں اور دوریاں روابط کو قائم کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اسی قرآن و سنت کی واضح تعلیمات اس بات کا ثبوت دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مابین محبت والفت قائم کرنے کے لیے احترام انسانیت کا درس دیا ہے تاکہ دلوں میں ایک دوسرے کے لیے دلی وابستگی مربوط رہے۔ ذیل میں قرآنی احکامات کی روشنی میں چند اصول مندرجہ ذیل ہیں:

2.1۔ انسانی وقار اور کرامت: قرآن مجید نے انسان کو خصوصی مقام عطا کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ[4]

ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی۔

یہ عزت تمام انسانوں کے لیے ہے، چاہے ان کا مذہب، نسل، یا رنگ کچھ بھی ہو۔ یہ عزت خالق کا عطیہ ہے، اور فطری ہے کسی انسان یا کسی ادارے کی فراہم کردہ نہیں، اس لیے اسے کوئی چھین نہیں سکتا۔

2.2۔ انسانی جان کی حرمت: چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا[5]

جس نے کسی شخص کو بغیر قصاص یا فساد کے قتل کیا، گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا۔ یہ آیت انسانی زندگی کی عظمت اور احترام کو واضح کرتی ہے۔

2.3۔ مساوات اور عدل: اسلام نے مساوات کا واضح اصول بیان کیا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ[6]

اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یہ آیت نسلی، لسانی، اور جغرافیائی برتری کے تمام دعووں کو رد کرتی ہے۔ مزید عدل کے بارے میں فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ[7]

اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ حتی کہ دشمنی میں بھی عدل کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ[8]

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

2.3۔ بنیادی آزادیاں اور حقوق: مذہبی آزادی کے بارے میں فرمایا:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ[9]

دین میں کوئی جبر نہیں۔ یہ آیت مذہبی جبر کی روک تھام کرتی ہے۔

2.4۔ ملکیت کا حق: اسلام نے جائز طریقے سے کمائی گئی دولت کو محفوظ قرار دیا اور چوری، غصب، اور ناجائز طریقوں سے مال لینے کو حرام قرار دیا[10]۔ لہذا اسلام میں انسانی وقار اور عزت و آبرو کا تحفظ انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق انسان کو نہ صرف جسمانی بلکہ اخلاقی اور معاشرتی طور پر بھی عزت دی گئی ہے۔ مثلاً قرآن میں کہا گیا ہے کہ لوگوں کی جاسوسی نہ کی جائے اور ایک دوسرے کی غیبت سے گریز کیا جائے، یعنی ہر فرد کی ذاتی حدود اور وقار کی حفاظت لازمی ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج کے موقع پر خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا کہ انسانی جانیں، اموال اور عزتیں حرمت رکھتی ہیں اور خواتین کے حقوق اللہ کی امانت کے طور پر ہیں، نیز کسی عربی یا غیر عربی، گورے یا کالے میں کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔ کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر، اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں، سوائے تقویٰ کے[11]

2.5: میثاق مدینہ: پہلا تحریری آئین: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد ایک تحریری معاہدہ تیار کیا جسے میثاق مدینہ کہا جاتا ہے۔[12] یہ دنیا کا پہلا تحریری آئین تھا جس میں بنیادی اور اہم یہ طے ہوا: تمام شہریوں کو برابر حقوق دیے گئے، مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی، مشترکہ دفاع کا نظام قائم کیا گیا۔ عدالتی نظام کے اصول طے کیے گئے، اقلیتوں کے حقوق محفوظ کیے گئے۔ یہ معاہدہ جدید آئینی اصولوں کی بنیاد ہے اور ثابت کرتا ہے کہ اسلام نے کثیر المذہبی معاشرے کا تصور چودہ سو سال قبل پیش کیا تھا۔[13]

3: اسلامی تعلیمات میں انسانی حقوق کے حوالے سے لوگوں میں پائی جانے والی غلط فہمیاں

3.1۔ خواتین کے حقوق سے متعلق غلط فہمیاں:

دنیا میں انسانی حقوق کے حوالے سے عورتوں کے حقوق کی بات بھی ہو رہی ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں عورت کی جبری شادی کی جاتی ہے، اس کا مہر مختلف حیلوں سے ہضم کر لیا جاتا ہے اور اسے جائیداد اور وراثت میں سے حصہ نہیں ملتا۔ جناب نبی کریمؐ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں ارشاد فرمایا تھا کہ یاد رکھو۔ اَلا، واستوصوا بالنساء خیرا۔۔۔ ان لکم علیٰ نساء حقاً ولھنّ علیکم حقاً[14] کہ سنو، عورتوں کے ساتھ بھلائی کے بارے میں میری وصیت قبول کرو۔۔۔ تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں اور عورتوں کے حقوق تم پر ہیں۔ یعنی مرد و عورت، دونوں کی طرف سے حقوق ادا ہوں گے تو بات آگے چلے گی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں عورتوں کے بارے میں سب سے زیادہ نصیحت کرتا ہوں کہ یہ عورتیں فطرتاً (اپنی ساخت کے اعتبار سے مرد سے) کمزور ہیں، طاقتور کی ذمہ داری ہے کہ وہ کمزور کے حقوق ادا کرے۔ اسی طرح ایک موقع پر ارشاد فرمایا: فاتقوا اللہ فی النساء فانکم اَخذ تموھن بأمان اللہ واستحللتم فروجھن بکلمۃ اللہ[15] کہ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امان کے تحت اپنے نکاح میں لیا ہے اور خدا کی اجازت کے تحت ان کی شرم گاہوں سے فائدہ اٹھانا تمہارے لیے حلال ہوا ہے۔

چنانچہ عام غلط فہمی ہے کہ اسلام میں عورتوں کو کمتر رکھا گیا ہے تاھم حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں خواتین کو مردوں سے کمتر نہیں سمجھا گیا بلکہ انہیں مکمل انسانی وقار اور قانونی حیثیت دی گئی ہے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق مرد اور عورت دونوں کو یکساں روحانی مقام حاصل ہے اور جو شخص نیک عمل کرے گا، چاہے مرد ہو یا عورت، اسے پاکیزہ زندگی ملے گی[16]۔ اس طرح پردہ کہ یہ تو خواتین کی حفاظت اور وقار کے لیے ہے، اس کی قید یا محدودیت نہیں، اور تاریخ گواہ ہے کہ مسلم خواتین نے علم، تجارت، سیاست، اور جنگوں میں فعال کردار ادا کیا۔ اسلام عورت کو اپنی مرضی سے شادی کرنے، کاروبار کرنے، ملکیت رکھنے اور قانونی معاملات میں فیصلہ کرنے کا حق دیتا ہے۔

3.2۔ جبراً لوگوں کو مسلمان بنانا:

اسلام کے بارے میں یہ عام پروپیگنڈا ہے کہ مسلمان لوگ اپنے مذہب اسلام میں کافروں کو زبردستی داخل کرتے ہیں اور یہ مذہب ایسا مذہب جو ہے جو تلوار کے زور پر پھیلا ہے اور دیگر مذاہب والوں سے قتل و غارت گری کر کے ان کے اموال کو چھین کے زبردستی ان کو اپنے مذہب میں داخل کرتے ہیں لیکن یہ بات

حقیقت کے بالکل برخلاف ہے کیونکہ خود قرآن مجید صراحۃ ارشاد ہے کہ دین کے معاملے میں کسی پر کوئی جبر نہیں ہے[17] خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی اور اسی کے ساتھ ساتھ مدنی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کافروں سے بار بار صلح کرلینا اور پھر دنیا بھر میں اسلام کی نشر واشاعت دعوت، محبت اور امن کے ذریعے ہونا خود برصغیر میں اسلام کا دعوت اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کے ذریعے اسلام کا داخل ہونا مشہور و مسلم ہے۔ [18]

3.3۔ حق تلفی:

عام غلط فہمی ہے یہ سمجھی جاتی ہے کہ اسلام غربت کو بہت پسند کرتا ہے اور مالداری اسلام میں معیوب سمجھی جاتی ہے اور اسلام اپنے غریبوں کا خیال نہیں رکھتا غریبوں کی نادار لوگوں کی فکر اور ان کے معاش کا بندوبست اسلامی حکومتیں اپنے ذمے نہیں سمجھتی۔ جبکہ یہ بات بھی اسلامی تاریخ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے چنانچہ اسلامی عظیم خلافت خلافتِ ثانی کا واقعہ ہے۔ [19]

حضرت عمر فاروقؓ رات کی تاریکی میں گشت کیا کرتے تھے، ایک دفعہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت کر رہے تھے کہ ایک گھر سے بچوں کے رونے کی آواز آئی، حضرت عمرؓ گزر گئے اور دوبارہ اس گلی میں آئے تو بچے ابھی تک رو رہے تھے، اسی طرح تیسرا چکر لگایا تو بچوں کے رونے کی آواز ابھی بھی آرہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے دروازے پر دستک دی، دروازہ کھلا اور ایک بڑھیا نکلی، پوچھا اماں کیا بات ہے بچے مسلسل رو رہے ہیں۔ بڑھیا نے بتایا کہ بچے بھوکے بیٹھے ہیں کھانے کو کچھ نہیں ہے روئیں گے نہیں تو کیا کریں گے؟ ان کا باپ اِن کے سر پر نہیں ہے اور میں ان کی کفیل ہوں۔ گھر میں ایک ہنڈیا پک رہی تھی، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اس ہنڈیا میں کیا ہے؟ بڑھیا نے بتایا کہ بچوں کو دلاسہ دینے کے لیے خالی پانی کی ہنڈیا چڑھا رکھی ہے کہ روتے روتے بہل جائیں گے اور سو جائیں گے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک خادم تھا اسے ساتھ لے کر بیت المال گئے اور آٹے کی بوری اٹھوا کر خود اپنے کندھے پر رکھوائی، اب خادم ساتھ چل رہا ہے اور امیر المؤمنین نے کندھے پر بوری اٹھائی ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے جا کر بڑھیا کو آٹا دیا اور آگ جلا کر دی اور اس نے آٹا لے کر کھانے پکانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

حضرت عمرؓ اس دوران وہاں موجود رہے اور بڑھیا سے بات چیت کرتے رہے۔ فرمایا کہ اماں عمر اِسی شہر میں رہتا ہے اگر کھانے کو کچھ نہیں تھا تو عمر کو جا کر بتایا ہوتا۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ یہ میرا کام نہیں ہے کہ میں جا کر عمرؓ کو بتاتی پھروں کہ میرے بچے بھوکے ہیں، یہ عمر کا کام ہے کہ وہ اس بات کا علم رکھے کہ شہر میں کون کون سے گھر بھوکے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے دوسرا سوال کیا، اماں! عمر ایک آدمی ہے کس کس کا پتہ چلائے گا۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ بیٹا! اگر عمر اپنی رعیت کے بھوکوں کا پتہ نہیں چلا سکتا تو اسے یہ مسند خالی کر دینی چاہیے۔ آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل جناب نبی کریمؐ نے اور ان کے بعد خلفائے راشدین نے لوگوں کو یہ شعور دیا کہ اپنے حق کا مطالبہ جائز ہے۔

اسی طرح اسلام نے اس مالداری کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے کہ جس مالداری کے بعد لوگ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال نہیں رکھتے جبکہ وہ مالداری کہ جو تقوی کے ساتھ ہو اس کی کوئی نفی نہیں چنانچہ حضرت عبدالرحمن ابن عوف حضرت عثمان رضی اللہ عنہما خود بڑے مالدار تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریبی صحابہ میں شمار ہوتے تھے چنانچہ واضح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایسی مالداری کوئی معیوب نہیں جو تقوی کے ساتھ ہے۔[20]

3.4۔ دہشتگرد: آج کے دور میں ایک عام اور بڑی غلط فہمی یہ پھیلا دی گئی ہے کہ اسلام گویا تشدد، قتل و غارت گری اور دہشت گردی کا دین ہے، حالانکہ مسلمانوں کے درمیان رونما ہونے والے ذاتی جھگڑے، دشمنیاں اور ناعاقبت اندیشی کے واقعات مذہب کی تعلیمات نہیں بلکہ افراد کے اپنے غلط اعمال اور سماجی رویّے ہیں۔ اس غلط فہمی کے نتیجے میں بعض لوگ یہ بھی سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اسلام انسانی جان کی حرمت کا خاص خیال نہیں رکھتا یا چھوٹی چھوٹی باتوں پر قتل و خونریزی کو مذہبی جواز مل جاتا ہے، جو کہ اسلام کے اصل مزاج اور قرآنی اصولوں کے سراسر خلاف ہے۔

اسلام کا حقیقی موقف یہ ہے کہ انسانی جان کی حرمت بنیادی ترین اصول ہے اور ظلم، فساد اور خونریزی مکمل طور پر حرام ہے[21]۔ قرآن واضح حکم دیتا ہے کہ جن لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کی اور نہ انہیں ان کے گھروں سے نکالا، ان کے ساتھ احسان اور عدل سے پیش آنا چاہیے، اور اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ قرآن مزید اعلان کرتا ہے کہ ذرہ برابر نیکی اور ذرہ برابر بدی بھی اللہ کے ہاں ظاہر ہو جائے گی[22]، لہٰذا کوئی شخص کسی بھی بنیاد پر فتنہ و فساد، دہشت یا خوف پھیلانے کا حق نہیں رکھتا۔ نبی کریم ﷺ کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ صرف نصیحت کرنے والے ہیں، جبر و زبردستی کرنے والے نہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا پیغام خوف یا تشدد کے ذریعے نہیں پھیلایا جاتا۔

اسلام دراصل معاشرے میں کشیدگی، دشمنی اور جھگڑے کا خاتمہ چاہتا ہے اور ان کی جگہ محبت، اخوت، تعاون اور امن قائم کرنا اس کا بنیادی مقصد ہے۔ قرآن یاد دلاتا ہے کہ اللہ نے دشمن قوموں کے دلوں میں الفت ڈال کر انہیں بھائی بھائی بنا دیا، تاکہ لوگ امن و سکون کے ساتھ اپنے تخلیقی مقاصد پورے کر سکیں اور نیک اعمال کے ذریعے آخرت کی کامیابی حاصل کریں۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ جو اس کی ہدایت اختیار کرلے گا اس پر نہ خوف ہو گا نہ غم۔[23] اسلامی تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ اسلام نے دنیا میں جو انقلاب برپا کیا وہ تلوار کے زور پر نہیں بلکہ اخلاق، کردار، عدل، احسان اور پرامن جدوجہد کے ذریعے کیا۔ اسی لیے اسلام کو دہشت گردی کے ساتھ جوڑنا تاریخی، عقلی اور اخلاقی ہر زاویے سے ناانصافی ہے۔

3.4۔ قانون کی نظر کے اعتبار سے بین المذاہب فرق کرنا:

غلط فہمی ہے کہ اسلام اپنوں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرتا ہے جبکہ دیگر مذاہب والوں کے ساتھ فرق اور ظلم کا معاملہ کرتا ہے اور مسلمانوں کے عدالتی نظاموں میں یہ فرق ابتدا دور سے مستقل رہا ہے۔[24] جب کہ حقیقت اس کے بالکل بر خلاف ہے چنانچہ خیر القرون کا واقعہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک زِرہ گم ہوگئی تھی جو کسی طرح ایک یہودی کے ہاتھ میں چلی گئی، حضرت علیؓ نے کسی جگہ وہ زِرہ دیکھی تو پہچان لی کہ یہ تو میری زِرہ ہے جبکہ یہودی کا کہنا تھا کہ اس نے وہ زِرہ کہیں سے خریدی ہے۔ یعنی ایک یہودی سے اسلامی حکومت کے سربراہ کا جھگڑا ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے قاضی شریحؒ کی عدالت میں دعویٰ کر دیا کہ یہ میری زِرہ ہے اور اس یہودی کے پاس ہے۔ قاضی شریحؒ حضرت علیؓ کی حکومت میں چیف جسٹس تھے۔ دعویٰ چونکہ حضرت علیؓ نے دائر کیا تھا اس لیے مدعی یہ تھے، عدالت نے حضرت علیؓ سے مطالبہ کیا کہ گواہ لائیں۔ اب عدالت میں قاضی کے سامنے یہودی بھی کھڑا ہے اور حضرت علیؓ بھی۔ حضرت علیؓ کو کوئی عدالتی تحفظ حاصل نہیں تھا کہ سربراہِ مملکت کو عدالت میں طلب نہیں کیا جا سکتا، پھر کوئی پروٹوکول بھی نہیں تھا کہ حضرت علیؓ کو بیٹھنے کے لیے کرسی وغیرہ مہیا کی گئی ہو، دونوں ساتھ ساتھ قاضی کے سامنے کھڑے تھے۔ حضرت علیؓ نے گواہ پیش کیے جن میں ایک ان کا بیٹا حضرت حسنؓ تھے اور دوسرا کوئی اور شخص تھا۔ قاضیؒ نے کہا کہ جناب بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں ہے، اگر حسنؓ کے علاوہ کوئی اور گواہ ہے تو لائیے ورنہ میں آپ کے خلاف فیصلہ کرتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میرے پاس اور کوئی گواہ نہیں ہے۔ قاضی شریحؒ نے امیر المؤمنین کے سامنے کھڑے کھڑے یہ فیصلہ سنا دیا کہ جناب یہ زِرہ اس یہودی کی ہے میں آپ کا دعویٰ خارج کرتا ہوں[25]۔ قانون کی نظر میں برابری کا جو تصور اسلام نے دیا ہے تمام تر تہذیب و تمدن کے دعوؤں کے باوجود دنیا آج بھی اس مقام تک نہیں پہنچی۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے[26] کہ ایک شخص نے امیر المؤمنین حضرت سیدُنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضرت سیدُنا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم پر دعویٰ دائر کیا۔ حضرت علی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم پہلے ہی عدالت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا: اے ابو الحسن! کھڑے ہو جائیں اور اپنے مخالف کے ساتھ بیٹھ جائیں اور بات چیت کر لیں۔ وہ شخص چلا گیا، پھر حضرت علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم اپنی جگہ پر واپس لوٹ آئے۔ حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی کا چہرہ متغیر (بگڑا ہوا) دیکھا تو فرمایا: اے ابو الحسن! کیا بات ہے۔میں تمہارا چہرہ متغیر دیکھتا ہوں۔ جو کچھ ہوا ہے کیا تمہیں بُرا لگا ہے؟ حضرت علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے عرض کی جی ہاں” حضرت عمر نے پوچھا: کس وجہ سے؟ حضرت علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے عرض کی جب میرا مخالف آیا تو آپ نے مجھے کنیت یعنی ابو الحسن سے پکارا۔ آپ یہ کیوں نہ کہا کہ اے علی! کھڑے ہو جاؤ اور اپنے مخالف کے ساتھ بیٹھ جاؤ؟ یہ سن کر حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ

الکَرِیم کا سر پکڑ کر دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور پھر فرمایا میرا باپ تم پر قربان! تم اُن میں سے ہو جن کے سبب اللہ عزّوجلّ نے ہم کو ہدایت دی اور اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالا۔

3.5۔ اسلام میں غلامی کا تصور:

آج غلامی کے مسئلہ کے حوالے سے اسلام کو تنقید کا نشانہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ غلامی ایسا رواج تھا جسے اسلام نے بڑی حکمت کے ساتھ بتدریج کم سے کم ہی کیا۔ جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اس زمانے میں کسی شخص کو غلام بنانے کے تین طریقے رائج تھے۔[27] ایک طریقہ تو وہ تھا جسے آج کل کی اصطلاح میں بردہ فروشی کہتے ہیں یعنی کوئی طاقتور آدمی کسی کمزور آدمی کو پکڑتا تھا اور غلام بنا کر بیچ دیتا تھا۔ حضرت زید بن حارثہؓ بھی ایسے ہی غلام بنے تھے، وہ کسی غلام خاندان کے نہیں تھے، راہ چلتے کچھ طاقتور لوگوں نے پکڑا اور بیچ دیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ بھی ایسے ہی غلام بنے تھے، علم کی تلاش میں سفر کر رہے تھے کہ کچھ طاقتور لوگوں کے ہتھے چڑھ گئے جنہوں نے غلام بنا کر بیچ دیا۔ آج بھی کچھ لوگ ایسے کرتے ہیں کہ کسی بچے یا بچی کو اغوا کر کے آگے بیچ دیا۔ چنانچہ ایک طریقہ غلام بنانے کا یہ رائج تھا۔[28]

دوسرا طریقہ غلام بننے کا یہ تھا جس کا کہ بائبل میں بھی ذکر ہے اور پرانی قوموں میں بھی یہ طریقہ رائج رہا ہے کہ کسی مجرم کے ذمے کوئی تاوان ہوتا تو عدالت، پنچایت، تحکیم یا قضا اس شخص کو سزا کے طور پر غلام بنا دیتی بلکہ بعض اوقات کوئی مجبور آدمی خود کو کسی کی غلامی میں دے دیتا تھا، مثلاً کسی پر کوئی قرض ہوتا جسے وہ چکا نہیں سکتا تو وہ لاچار ہو کر کہہ دیتا تھا کہ ٹھیک ہے میں تمہارا غلام ہوں مجھے بیچ کر اپنا قرضہ پورا کر لو یا خود مجھ سے کام لے لو۔

تیسرا طریقہ یہ تھا کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنالیا جاتا تھا، جنگ کے دوران جو لوگ قید میں آجاتے تھے ان کے بارے میں مختلف صورتیں ہوتی تھیں، مثلاً یہ کہ انہیں یا تو ویسے ہی چھوڑ دیا جائے یا قیدیوں کے تبادلے میں چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے یا قتل کر دیا جائے یا قیدی بنالیا جائے

اگر جنگی مجرموں کو قید کرنے کا فیصلہ ہو جاتا تو اس کی پھر دو صورتیں ہوتی تھیں کہ انہیں قید خانے میں ڈال دیا جائے، یا پھر غلام بنا کر مختلف خاندانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ یعنی جیل میں قید کر لیا جائے یا پھر نیم آزادی دے دی جائے، حضورؐ کے زمانے میں عرب میں اجتماعی قید خانے نہیں ہوا کرتے تھے، ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو قید میں رکھنا مشکل ہوتا تھا اس لیے یہ قیدی خادم کے طور پر مختلف خاندانوں میں تقسیم کر دیے جاتے تھے۔

چنانچہ یہ تین طریقے اس وقت غلام بنانے کے رائج تھے۔ جناب نبی کریمؐ نے غلامی کی تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیتے ہوئے انتظامی ضروریات کے پیش نظر صرف آخری صورت کی گنجائش بر قرار رکھی کہ جنگی قیدیوں کو مختلف خاندانوں میں بطور خادم تقسیم کر دیا جائے۔ حضورؐ نے فرمایا "بیع الحر حرام"[29] کہ بردہ فروشی حرام ہے "ثمن الحر حرام" جرمانے یا تاوان میں بھی غلام بنانا حرام ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنی جنگوں کے زیادہ تر قیدی یا تو ایسے ہی چھوڑ دیے یا تبادلے میں چھوڑے یا پھر فدیہ لے کر چھوڑے۔ غزوۂ حنین میں سب قیدی بلا معاوضہ رہا کر دیے گئے۔ ایک دو جنگوں میں جب یہ دیکھا کہ قیدی بنانا ضروری ہے وہاں قیدی بنائے گئے لیکن ساتھ ان کے حقوق بھی بیان کیے گئے۔

رسول اللہؐ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا خولکم اِخوانکم یہ تمہارے بھائی ہیں اطعموھم مما اطعمتم جو خود کھاتے ہو انہیں بھی وہی کھلاؤ البسوھم مما تلبسون جو خود پہنتے ہو انہیں بھی اسی معیار کا پہناؤ ولا تکلفوھم مالا یطیقون اور جس کام کی ان میں طاقت نہیں وہ بوجھ ان پر مت ڈالو، اِن کلفتموھم فاعینوھم اگر کوئی کام ان کی طاقت سے زیادہ ہے تو ان کی مدد کرو۔

ایک صحابی حضرت ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ایک غلام کو تھپڑ مارا تو پیچھے سے آواز آئی ابو مسعود! جتنی قدرت تم اس پر رکھتے ہو اس سے کہیں زیادہ قدرت والا تمہارے اوپر ہے، تم نے اپنے آپ کو مالک سمجھ کر تھپڑ مارا ہے تمہارا بھی کوئی مالک ہے۔ حضرت ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو جناب رسول اللہؐ تھے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے اللہ کی خاطر اسے آزاد کر دیا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہیں لپیٹ میں لے لیتی[30]۔

جناب نبی کریمؐ نے جو آخری وصیت فرمائی اس میں دو باتیں فرمائیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے اپنی زندگی کا یہ آخری جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا: "الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم" اپنی نماز کا خیال کرنا اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ چنانچہ جناب رسول اللہؐ نے اپنی ترغیبات کے ذریعے غلاموں کا مسئلہ اتنا حساس بنا دیا کہ صحابہ کرامؓ نے معمولی سے معمولی بات پر غلاموں کو آزاد کرنا شروع کر دیا اور یوں عملی طور پر مسلمانوں کے معاشرے میں ایک وقت غلامی عملاً بہت ہی کم ہو کر رہ گئی تھی۔[31]

ز: اسلامی احکامات کافی سخت ہیں۔

عصرِ حاضر میں بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ غلط فہمی گہری ہو چکی ہے کہ اسلام ایک سخت گیر اور پابندیاں لگانے والا مذہب ہے۔ اس تاثر کی ایک وجہ اسلامی احکام کی ظاہری شکل کو دیکھ کر اُن کی حکمت اور پسِ منظر پر غور نہ کرنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے احکامات اپنے اصول، مقاصد اور عملی اطلاق کے اعتبار سے سخت نہیں بلکہ نہایت متوازن، حکیمانہ اور انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہیں۔ ان احکامات کی صرف ظاہری شدت کے پیچھے ایک عمیق عدل، شفقت اور انسانی فلاح کا پہلو کار فرما ہوتا ہے۔

اسلام کی بنیاد تکلیف بمایطاق یعنی انسان کو اس کی طاقت کے مطابق حکم دینے پر ہے۔ قرآن مجید خود اعلان کرتا ہے: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا[32] اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے اندر جو بھی حکم آئے گا، وہ انسانی طاقت، ضرورت اور معاشرتی مصالح کے مطابق ہو گا۔ اسی لیے شریعت میں رخصتیں، سہولتیں اور استثناء بھی بڑے واضح طور پر موجود ہیں، مثلاً سفر میں نماز کا قصر، بیمار کو روزے سے معافی، اور مجبوری میں بعض حرمتوں کا وقتی استثناء۔

جہاں تک بعض مضبوط احکامات کا تعلق ہے جن کو لوگ سخت سمجھتے ہیں، وہ دراصل سختی نہیں بلکہ نظم و عدل کو قائم رکھنے کے لیے اخلاقی و قانونی فریم ورک ہے۔ معاشرے کو جرائم، ظلم، استحصال اور بے حیائی سے بچانے کے لیے کبھی کبھار قانون کا کڑا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی مہذب معاشرہ اپنے قانونی ڈھانچے کو مکمل نرمی پر نہیں چلاتا، اور اسلام بھی اسی اصول کے تحت بعض حدود و قیود مقرر کرتا ہے۔ مثلاً قتل کے بدلے قصاص ظاہری طور پر سخت ہے، لیکن اس کا مقصود انسانی جان کی حرمت کو اعلیٰ سطح پر قائم کرنا ہے، جیسا کہ قرآن فرماتا ہے کہ قصاص میں زندگی ہے[33]۔

اسلام کے جن احکامات کو سخت سمجھا جاتا ہے، ان کا زیادہ تر تعلق اجتماعی نظم، اخلاقی ضرورت اور انسانی حقوق کے تحفظ سے ہے۔ فرد کی آزادی وہاں تک معتبر ہے جہاں تک وہ دوسروں کے حقوق پر اثر انداز نہ ہو۔ شریعت کا واضح اصول ہے: لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ نہ خود کو نقصان پہنچانا ہے اور نہ کسی اور کو پہنچانا ہے۔ لہذا جو احکامات بظاہر مشکل نظر آتے ہیں وہ دراصل معاشرے کے کمزور طبقات، حقوقِ عامہ اور اخلاقی توازن کی حفاظت کے لیے ناگزیر ہوتے ہیں۔

اسی طرح اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں بھی شدت نہیں بلکہ تزکیہ، توازن اور ذمہ داری کا پہلو غالب ہے۔ مثلاً حیا، دیانت، عدل، امانت، خود احتسابی، زبان کی حفاظت اور ظلم سے اجتناب، یہ سب اخلاقی اصول انسان کو خود بہتر بناتے ہیں، اور ان میں کوئی غیر فطری سختی نہیں۔ اسی طرح عبادات کا نظام بھی انسان کی

روحانی تربیت، نظم وضبط اور خود اعتمادی کا ذریعہ ہے، نہ کہ کسی غیر انسانی بوجھ کا۔ نماز، روزہ اور حج جیسے اعمال جسم وروح کو سنبھالتے ہیں اور انسان کو اس کی اصل فطرت سے جوڑتے ہیں۔

مختصراً، اسلام کے احکامات کی اصل روح شدت نہیں بلکہ عدل، حکمت، توازن اور انسان دوستی ہے۔ جو چیز بظاہر سخت دکھائی دیتی ہے، وہ حقیقت میں انسانیت کے تحفظ، معاشرتی نظم اور اخلاقی فلاح کے لیے ناگزیر ہوتی ہے۔ اس لیے اسلام کو سخت مذہب سمجھنا علمی غلط فہمی ہے؛ اسلام ایک منظم، معتدل اور فطری دین ہے جو انسان کو اس کے تمام پہلوؤں کے ساتھ سنبھالتا ہے، سنوارتا ہے اور ایک پاکیزہ، مہذب معاشرتی نظام تشکیل دیتا ہے۔

4: غلط فہمیوں کے اسباب:

تاریخی اور سیاسی اسباب کے تحت انیسویں اور بیسویں صدی میں مغربی استعمار نے مسلم ممالک پر قبضہ کیا اور اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈا شروع کیا۔ مستشرقین نے اسلامی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا چنانچہ اسکا بانی جو ہن دینی باتیں گھڑ کو ائمہ دین کی طرف منسوب کرتا[34] تاکہ اپنی نو آبادیاتی پالیسیوں کو جواز فراہم کریں۔ جیو پولیٹکس کے حوالے سے تیل کے وسائل، اسرائیل کی حمایت، اور عالمی اقتدار کی کشمکش نے اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنایا۔ 9/11 کے بعد دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر اسلاموفوبیا میں اضافہ ہوا۔

اسی طرح غلط فہمی کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ آج کا انسان مکمل آزادی کو معیار سمجھتا ہے اور ہر طرح کی قید کو سختی تصور کرتا ہے، جبکہ اخلاق، شریعت اور قانون کا بنیادی مقصد آزادی کو توازن کے ساتھ استعمال کرنا ہے۔ اسلام نہ تو انسان کو لامحدود آزادی دیتا ہے نہ بے جا پابندی؛ بلکہ ذمہ دارانہ آزادی دیتا ہے، ایسی آزادی جس میں فرد بھی محفوظ رہے اور معاشرہ بھی۔ مزید یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ کے کردار کے حوالے سے مغربی میڈیا نے مسلسل مسلمانوں کو منفی انداز میں پیش کیا۔ فلموں، ڈراموں، اور خبروں میں مسلمانوں کو دہشت گرد، انتہاپسند، اور عورتوں پر ظلم کرنے والے کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔ مثبت پہلوؤں کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

مسلم معاشروں میں عملی خلیج کے بارے میں یہ بات افسوس ناک ہے کہ بہت سے مسلم ممالک میں اسلامی تعلیمات اور عملی صورتحال میں بہت فرق ہے۔ آمرانہ حکومتیں، انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں، اور سماجی ناانصافی اسلام کی حقیقی تصویر نہیں ہیں بلکہ حکمرانوں کی ناکامی ہیں۔ تعلیمی نظام کی کمزوریوں کے حوالے

سے مغربی تعلیمی نصاب میں اسلام کی تاریخ اور تعلیمات کو غلط انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ مسلم ممالک میں بھی جدید تقاضوں کے مطابق اسلامی تعلیمات کی تشریح کی کمی ہے۔۔

5: عملی حکمت عملی (تدارک کا طریقہ):

نصاب سازی میں اصلاح: اس کے لیے بنیادی طور پر کلاسی کی کتب اور معاصر کتب کے انسانی حقوق سے متعلق ابواب میں پختگی کے ساتھ ساتھ جدید قانونی اور انسانی حقوق کی تنظیموں اور ان کے آرٹیکلز کا مطالعہ کرانا چاہیے۔

اور ایسے مفید کورسز تیار کرنے چاہیے جس میں قران و سنت میں بیان کردہ انسانی حقوق اور آداب نکھر کر سامنے آئیں، اور ذہنوں میں اس قسم کے شکوک و شبہات جنم نہ لیں، لہذا انسانی حقوق کے ماہرین اور علماء کی ایسی نصابی کمیٹی تشکیل دی جائے جو ان ابواب سے رطب و یابس کو ہٹا کر ایک علمی نصاب تیار کریں پھر اسکو باقاعدہ ایک کورس کی شکل میں تعلیمی اداروں میں جاری کیا جائے۔

اساتذہ کی تربیت میں جدید تعلیمی طریقوں کو اپنانا بہت ضروری ہے تا کہ وہ طلباء میں تنقیدی شعور اور تحقیقی رجحان پیدا کر سکیں۔ اس کے لیے ورکشاپس، سیمینارز، اور آن لائن کورسز کا باقاعدہ اہتمام کیا جانا چاہیے۔ جدید ٹیکنالوجی کا استعمال بھی اب ناگزیر ہو گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات پر مستند ویب سائٹس اور ایپس تیار کی جائیں، مفت آن لائن کورسز کا اہتمام کیا جائے، متعدد زبانوں میں تعلیمی مواد فراہم کیا جائے، اور مفید ڈاکومنٹریز کے ذریعے پیغام پہنچایا جائے۔

سوشل میڈیا کے مثبت استعمال کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اطلاقی پلیٹ فارمز پر معیاری تعلیمی مواد کی تشہیر کی جائے اور نوجوانوں کے لئے خاص جدید انداز میں کلاسیکی اسلامی تعلیمات پیش کی جائیں۔ مسلم محققین کو انسانی حقوق کے موضوع پر انگریزی اور دیگر عالمی زبانوں میں تحقیقی کام کرنا چاہیے۔ بین الاقوامی جرائد میں مقالات شائع کرنے کی ضرورت ہے تا کہ اسلامی نقطہ نظر عالمی سطح پر پہنچ سکے۔

بین المذاہب مکالمہ غلط فہمیوں کو دور کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ جب مختلف مذاہب کے لوگ آمنے سامنے بیٹھ کر بات کرتے ہیں تو باہمی افہام و تفہیم میں اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے بھی اہل کتاب سے مکالمے کی ترغیب دی ہے اور کہا ہے کہ ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔ تاریخ میں اس کی بہترین مثالیں موجود ہیں۔

اندلس میں آٹھ سو سال تک مسلمان، یہودی، اور عیسائی ایک ساتھ رہے۔ یہ دور علم و فن کی ترقی، باہمی رواداری، اور تہذیبی عروج کا دور تھا۔ قرطبہ اور غرناطہ کی یونیورسٹیوں میں تینوں مذاہب کے علماء پڑھاتے تھے۔ عثمانی سلطنت میں ملت سسٹم کے تحت تمام مذہبی گروہوں کو خود مختاری دی گئی تھی۔ عیسائی اور یہودی اپنے مذہبی قوانین کے مطابق زندگی گزار سکتے تھے۔ آج کے دور میں بھی بین الاقوامی تنظیمیں جیسے عالمی مذاہب کی پارلیمنٹ، اقوام متحدہ کا تہذیبوں کا اتحاد، اور اسلامی تعاون تنظیم کے تحت مکالمے کے پروگرام جاری ہیں۔

مقامی سطح پر مساجد اور دیگر عبادت گاہوں کے درمیان باہمی تعلقات استوار کیے جانے چاہیے۔ مشترکہ سماجی خدمت کے منصوبے جو مختلف مذہبی گروہوں کو قریب لائیں، بہت مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔ کامیاب مکالمے کے لیے احترام اور برداشت بنیادی شرط ہے۔ ہر مذہب کے عقائد کا احترام ضروری ہے اور اختلافات کے باوجود مشترکات پر توجہ دی جانی چاہیے۔ جذباتیت سے بچتے ہوئے علمی اور تحقیقی انداز میں بات کی جائے۔ نظریاتی بحث کے ساتھ ساتھ عملی سطح پر انسانی خدمت کے مشترکہ منصوبے شروع کیے جائیں اور مثبت مکالموں کو میڈیا میں اجاگر کیا جائے تاکہ وسیع تر اثرات مرتب ہوں۔

ذرائع ابلاغ کی شمولیت بھی انتہائی اہم ہے۔ روایتی میڈیا میں اطلاقی روابط کے ذریعے مسلم ممالک میں معیاری پروگرام تیار کیے جانے چاہیے جو اسلامی تعلیمات کو جدید انداز میں پیش کریں۔ غیر مسلم ممالک میں بھی پروگرام نشر کرنے کے لیے وقت لیا جائے چاہے قیمتا لیا جائے۔ انسانی حقوق میں اسلام کی خدمات پر معیاری ڈاکومنٹریز بنائی جائیں۔ قومی اور بین الاقوامی اخبارات میں مضامین لکھے جائیں اور متوازن صحافت کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

مثبت بیانیہ کی تشکیل کے لیے خشک تحریروں کے ساتھ ساتھ دلچسپ کہانیوں کے ذریعے اپنی بات پہنچائی جائے۔ تاریخی واقعات کو دلچسپ انداز میں بیان کیا جائے۔ مسلمان محققین اور سائنسدان، ڈاکٹرز، انجینئرز، اور سماجی کارکنوں کی کہانیاں سامنے لائی جائیں تاکہ وہ رول ماڈل بن سکیں۔ امن، محبت، خدمت خلق، اور انسانیت جیسی مشترکہ اقدار پر زور دیا جائے۔ مسلم نوجوانوں کو صحافت اور میڈیا پروڈکشن کی تربیت دی جائے اور معیاری میڈیا ادارے قائم کیے جائیں جو ماہرانہ معیار پر پورے اتریں۔ یہ تمام اقدامات مل کر ایک جامع حکمت عملی کی تشکیل کر سکتے ہیں جو اسلام کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے پیش کرنے میں معاون ثابت ہوں گے۔

6۔ عملی چیلنجز اور ان کا حل:

ا: مسلم معاشروں میں اصلاحات:

مسلم ممالک کی حکومتوں کو چاہیے کہ وہ اسلامی اصولوں کے مطابق انسانی حقوق کے تحفظ کو یقینی بنائیں۔ آمرانہ حکومتوں کی جگہ جمہوری نظام قائم کیا جائے جہاں عوام کی رائے کو اہمیت دی جائے۔ حکومتی سطح پر ایسے اقدامات کیے جانے چاہیے جو عوامی شرکت کو ممکن بنائیں۔ قبائلی رسم ورواج اور روایات کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پرکھا جانا چاہیے۔ خواتین کو تعلیم اور معاشرتی شرکت کے مواقع دیے جائیں تاکہ وہ معاشرے کی ترقی میں بھرپور کردار ادا کرسکیں۔ سماجی اصلاحات کے ساتھ ساتھ اقتصادی انصاف کا قیام بھی ناگزیر ہے۔ زکوٰۃ اور صدقات کے نظام کو منظم کیا جائے اور غربت اور بے روزگاری کے خاتمے کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں۔ معاشی استحکام اور عدل وانصاف کی بنیاد پر ہی ایک مضبوط اور ترقی یافتہ معاشرہ تشکیل پاسکتا ہے۔

ب: انتہا پسندی سے نمٹنا:

اسلام کی بنیادی تعلیمات میں اعتدال، رحم دلی، اور انسانیت کی خدمت کا درس موجود ہے۔ جو انتہا پسندی کے واقعات سامنے آئے ہیں، وہ اسلامی اصولوں سے انحراف کی وجہ سے ہیں کیونکہ اسلام تو اسکی پرزور تردید کرتا ہے۔ قرآن وسنت میں امن، برداشت اور باہمی احترام پر زور دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے غلط تاثرات سے متاثر ہوئے بغیر اسلام کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا رہیں۔ نوجوانوں کو صحیح اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے اور تعلیمی اداروں میں اعتدال پسندی کو فروغ دیا جائے۔ معاشرتی سطح پر پسماندہ طبقات کو مرکزی دھارے میں شامل کیا جائے اور مساجد کے خطباء بھی اسلام کی رحم دل اور انسان دوست تصویر پیش کریں۔ نوجوانوں کے لیے مثبت سرگرمیوں کے مواقع فراہم کیے جائیں تاکہ وہ تعمیری کاموں میں اپنی صلاحیتیں صرف کرسکیں۔

ج. عالمی سطح پر تعاون:

عالمی سطح پر تعاون کے لیے اقوام متحدہ، یونیسکو، اور دیگر عالمی اداروں کے ساتھ مل کر کام کیا جانا چاہیے۔ بین الاقوامی تنظیموں کے ساتھ شراکت داری سے انسانی حقوق کے فروغ اور امن کے قیام میں مدد ملتی ہے۔ مغربی دنیا کے ساتھ تعلقات میں دشمنی کے بجائے مکالمے اور تعاون کی راہ اختیار کی جائے۔ اختلافات کو بات چیت سے حل کیا جائے اور مشترکہ مفادات پر توجہ دی جائے۔ اس بارے میں مغربی دنیا میں رہنے والے بااثر مسلمانوں کو پل کا کردار ادا کرنا چاہیے اور دونوں تہذیبوں کے درمیان افہام وتفہیم کو فروغ دینا چاہیے۔ اسی طرح تعلیمی منصوبوں میں بھی ان کی مشاورت سے ایسا نظام قائم کرنا چاہیے جو جدید دنیا کے مناسب بھی ہو اور اسلامی تعلیمات کے بھی عین موافق ہو۔

7۔ نتیجہ:

اسلام انسانی حقوق کا محافظ اور علمبردار ہے۔ چودہ سو سال قبل جب دنیا ظلم و جہالت کے اندھیروں میں گم تھی، اسلام نے انسانیت کو عزت، آزادی، اور مساوات کا پیغام دیا۔ قرآن مجید اور سنت نبویہ میں انسانی حقوق کا ایسا جامع نظام موجود ہے جو ہر دور اور ہر معاشرے کے لیے قابل عمل ہے۔ افسوس کہ آج اسلام کو غلط فہمیوں کا شکار بنایا جا رہا ہے۔ یہ غلط فہمیاں جہالت، تعصب، سیاسی مفادات، اور منفی میڈیا کوریج کا نتیجہ ہیں۔ مسلم معاشروں میں اسلامی تعلیمات کے نفاذ میں کوتاہیوں نے بھی اس صورتحال کو مزید خراب کیا ہے۔ اس صورتحال کو بدلنا ممکن ہے۔ تعلیمی اصلاحات، بین المذاہب مکالمہ، اور ذرائع ابلاغ کی مثبت شمولیت کے ذریعے ہم غلط فہمیوں کو دور کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے مسلم اور غیر مسلم دونوں کی طرف سے یک جہت کوشش کی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے کردار سے اسلام کی حقیقی تصویر پیش کریں۔ علم، محنت، ایمانداری، اور انسان دوستی کے ذریعے وہ دنیا کو بتا سکتے ہیں کہ اسلام کیا ہے۔ غیر مسلموں کو بھی چاہیے کہ وہ تعصبات سے بالاتر ہو کر اسلام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ انسانی حقوق کے تحفظ میں اسلام کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آج کی دنیا کو امن، انصاف، اور انسانی وقار کے لیے اسلامی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ یہ تحقیق اسی سمت میں ایک چھوٹی سی کوشش ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ انسانی حقوق کا حقیقی تحفظ اسلام نے ہی فراہم کیا ہے جبکہ دوسری طرف بہت سی غیر مسلم حکومتوں نے انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں کی ہیں۔ مثال کے طور پر برطانوی نوآبادیاتی دور میں ہندوستان میں لاکھوں لوگوں کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم رکھا گیا۔ برطانوی حکومت نے ہندوستانیوں کو غلام کی حیثیت میں رکھا، ان کی دولت لوٹی، قحط کے وقت غلہ برآمد کرتے رہے جس سے لاکھوں لوگ بھوک سے مر گئے، اور مقامی لوگوں کو اپنے ہی ملک میں تیسرے درجے کا شہری سمجھا گیا۔ جلیانوالہ باغ کا سانحہ اس کی واضح مثال ہے جہاں بے گناہ مردوں، عورتوں اور بچوں پر گولیاں برسائی گئیں۔

خود امریکہ میں سو سال قبل تک انسانوں کو فروخت کیا جاتا تھا افریقہ سے بحری جہاز میں بھر بھر کر انسانوں کو لایا جاتا اور امریکہ کی منڈیوں میں لا کر بیچ دیا جاتا تھا، آزاد آدمی پکڑ کر لائے جاتے تھے اور منڈیوں میں بیچ دیے جاتے تھے گزشتہ صدی میں امریکہ میں جو شمال و جنوب کی جنگ ہوئی ہے اٹلانٹ ٹیکہ کے میدان میں جہاں آخری جنگ ہوئی اور جنرل رابرٹ ایڈورڈ ڈی نے ہتھیار ڈالے تھے اس جنگ کے دور میں امریکہ کے دانشوروں نے کتابوں کی کتابیں لکھی جو غلامی کے جواز پر دلائل سے بھری پڑی ہیں یہ ابھی گزشتہ صدی کی بات ہے۔[35]

اسی طرح افریقہ میں غلامی کی تجارت کے دوران مغربی طاقتوں نے لاکھوں افریقیوں کو جانوروں کی طرح پکڑ کر بیچا، ان کے خاندانوں کو توڑا، اور انہیں انسانی وقار سے محروم کر دیا[36]۔ امریکہ اور یورپ میں صدیوں تک سیاہ فام لوگوں کو بنیادی حقوق نہیں دیے گئے۔ اس کے برعکس اسلام نے چودہ سو سال پہلے ہی غلاموں کی آزادی کو باعث ثواب قرار دیا، حضرت بلال حبشی جیسے غلام کو اعلیٰ مقام دیا، اور تمام انسانوں کو برابر قرار دیا۔ یہ تاریخی حقائق واضح کرتے ہیں کہ انسانی حقوق کا اصل محافظ اسلام ہے اور آج بھی دنیا کو اسی سے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ خود عورتوں کے حقوق کے حوالے سے عورتوں پر یہ ظلم ڈھایا کہ ان کو سر بازار لا کر معاش کی فکر میں لگا دیا جس سے ان پر گھروں کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ باہر کے معاش کی ذمہ داری اور اس کے کمانے کی فکر دہرا ظلم رہا اور اسی وجہ سے وہاں پہ بچوں کو سنبھالنے کے لیے ڈے کیئر سینٹر بنائے گئے کہ جہاں مائیں اپنے بچوں کو صبح ڈال جاتی ہیں اور شام کو لے جاتی ہیں اس سے بچوں کی تربیت اور خاندانی نظام اور سوسائٹی پر انتہائی برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ [37] جبکہ اسلام نے عورت کو انسانی شرافت اور وقار کے ساتھ برابر مقام دیا ہے، تاکہ مرد اور عورت دونوں معاشرے میں اپنی ذمہ داریوں اور حقوق کو بخوبی ادا کر سکیں۔ قرآن و سنت میں عورت کے حقوق کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جس میں تعلیم حاصل کرنے، علم و تربیت کے مواقع پانے، اور اپنی زندگی کے اہم فیصلے کرنے کی آزادی شامل ہے۔ اسلام نے عورت کو شوہر کے انتخاب، مالی تحفظ اور معاشرتی احترام کے حقوق بھی فراہم کیے تاکہ اس کی عزت و کرامت ہر حالت میں محفوظ رہے۔ تعلیم اور علم کے ذریعے عورت نہ صرف اپنے حقوق کی حفاظت کر سکتی ہے بلکہ معاشرے میں مثبت کردار ادا کر کے ترقی کی بنیاد بھی رکھ سکتی ہے۔ اسی طرح اسلام امن، اخلاق، تعاون اور احترام کے اصول سکھاتا ہے تاکہ عورت اور مرد دونوں اپنے تخلیقی مقاصد کے حصول اور آخرت میں کامیابی کے قابل بن سکیں۔ [38]

8۔ نتائج:

یہ تحقیق درج ذیل نتائج بیان کرتی ہے:

1: قرآن مجید اور سنت نبویہ میں انسانی حقوق کا ایک جامع اور متوازن نظام موجود ہے جو انسانی وقار، مساوات، عدل، اور آزادی کو یقینی بناتا ہے۔

2: اسلام میں انسانی حقوق کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیاں زیادہ تر تاریخ سے ناواقفیت اور میڈیا کے منفی کردار کا نتیجہ ہیں، نہ کہ اسلامی تعلیمات کی وجہ سے۔

3: مسلم معاشروں میں اسلامی تعلیمات اور عملی صورتحال کے درمیان موجود خلیج نے بھی غلط فہمیوں کو ہوا دی ہے۔

4: تعلیمی اصلاحات، بین المذاہب مکالمہ، اور ذرائع ابلاغ کی مثبت شمولیت غلط فہمیوں کو دور کرنے کے موثر ذرائع ہیں۔

5: اسلام کا نظام انسانی حقوق مغربی تصور سے مختلف لیکن زیادہ جامع اور متوازن ہے کیونکہ یہ حقوق اور فرائض میں توازن قائم کرتا ہے۔

9: سفارشات

اس مذکورہ تحقیق کے بعد یہ سفارشات قابلِ توجہ ہیں۔

1. حکومتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں مؤثر قانون سازی کریں، جمہوری و ریاستی اداروں کو مضبوط بنائیں اور میڈیا سمیت تمام نظام میں شفافیت اور ذمہ داری کو یقینی بنائیں۔

2. علماء، دانشور اور تعلیمی ادارے جدید زبان و اسلوب میں اسلامی تعلیمات کی پابند سلف تشریح، تحقیق اور انسانی حقوق کی آگاہی کو فروغ دیں اور بین الاقوامی علمی تعاون میں فعال کردار ادا کریں۔

3. میڈیا ادارے متوازن، حقائق پر مبنی اور ذمہ دارانہ رپورٹنگ کے ذریعے مثبت بیانیہ پیش کریں اور غلط معلومات کی فوری روک تھام اور اصلاح کی کوشش کریں۔

4. افراد خود اسلامی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کریں، سوشل میڈیا پر مثبت کردار ادا کریں، غیر مسلموں سے جائز تعلقات قائم کریں اور اپنے عملی کردار سے اسلام کی حقیقی نمائندگی کریں۔

حوالہ جات:

[1] القرآن التین 4:94۔

[2] نعمانی، مولانا عبدالرشید طلحہ، اسلام میں انسانی حقوق، 2022ء، https://darululoom-deoband.com/urduarticles/archives/3685،

[3] اسلامی، مولانا محمد عبدالحفیظ، جنگ آزادی میں مسلمانوں کا اہم کردار پھر اس کے ثمرات سے محرومی کیوں؟ 2024ء، https://urdu.munsifdaily.com/what-role-did-muslims-play-in-the-war-of-independence-then-why-are-they-deprived-of-its-fruits/, Munsif Daily accessed 15 Dec 2025 .

[4] القرآن الاسراء، 70۔

[5] القرآن المائدہ، 32۔

[6] القرآن الحجرات، 13۔

[7] القرآن، النحل، 90۔

[8] القرآن المائدہ، 8۔

[9] القرآن، البقرہ، 256۔

[10] القرآن النساء 29۔

[11] H. G. Wells, A Concise History of the World, 1946, New York.

[12] القادری، ڈاکٹر محمد طاہر، میثاق مدینہ، 2010ء، لاہور، منہاج القرآن، ص:72۔

[13] ایضا، ص:122

[14] ترمذی، ابو عیسیٰ، جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب و من سورہ ال عمران، ح:3012۔

[15] قشیری،، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الادب، ص:2136۔

[16] القرآن النحل 97:16۔

[17] القرآن، البقرہ، 256۔

[18] فرشتہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، 2008ء، لاہور، المیزان، ص:127۔

[19] الرشدی، ابو عمار زاہد، انسانی حقوق اور سیرت نبوی ﷺ، 1995ء، https://zahidrashdi.org/886، تاریخ:12-12-2025۔

[20] ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب الذھد، ح:4341۔

[21] القرآن المائدہ، 32۔

[22] القرآن الزلزال، 8-7

[23] القرآن، البقرہ، 38۔

[24] Bernard Lewis, What Went Wrong? Western Impact and Middle Eastern Response,2002, New York: Oxford University Press,P:30.

[25] انسانی حقوق اور سیرت نبوی ﷺ، محولہ بالا۔

[26] (Imam Ali's Act of Justice in the Court(امام رضا))

https://share.google/PD6ChhfPRGCmNxXim، تاریخ:12-12-2025

[27] انسانی حقوق اور سیرت نبوی ﷺ، محولہ بالا۔

[28] ایضا۔

[29] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب البیوع، ح:2150۔

[30] القادری، ڈاکٹر محمد طاہر، میثاق مدینہ، 2010ء، لاہور، منہاج القرآن، ص:156۔

[31] ایضا، ص:202۔

[32] القرآن، البقرہ، 286۔

[33] القرآن، البقرہ، 179۔

[34]/ اسلامک سینٹر فار اسٹریٹیجک اسٹڈیز، جو ہن، ص:188 https://www.iicss.iq، ، iicss.iq

[35]. انسانی حقوق اور سیرت نبوی ﷺ، محولہ بالا، ص:۷۲۔

[36] Michael J. Klarman, “Brown v. Board of Education and the Civil Rights Movement,” in A Concise Edition of Civil Rights: The Supreme Court and the Struggle for Racial Equality, 2007, New York: Oxford University Press, 2007, 55, accessed 12 December 2025.

[37]. انسانی حقوق اور سیرت نبوی ﷺ، محولہ بالا۔ ص:94۔

[38] عورت اسلام کی روشنی میں، 2021ء، مرصد ازہر، https://azhar.eg/observer-urdu/replies/ArtMID/6178/ArticleID/55665/، تاریخ: 2025-12-12۔